علامہ محمد عبداللہ
(احمد پور شرقیہ)

بارگاہِ رسالت ﷺ کے سفیر
سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

حسن صورت میں لاثانی، چال ڈھال میں سراپا وقار و تمکنت، گفتگو میں نہایت سنجیدہ اور معقول، معاملہ فہم اور موقعہ شناس، یہ ہیں ہمارے ممدوح حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ۔ آپ قبیلہ بنو کلب کے رکن رکین تھے۔ تجارت پیشہ تھے۔ دنیوی مال متاع سے تو حظِّ وافر ملا ہی تھا۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر اخروی دولت بھی سمیٹ لی۔ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ کب مشرف باسلام ہوئے تھے۔ البتہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ دیگر فضائل اور مآثر کے علاوہ ان کی ایک امتیازی منقبت یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب انسانی شکل میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں آتے تو اکثر و بیشتر حضرت دحیہؓ کی شکل میں آتے۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ کو قریش مکہ کی طرف سے اطمینان میسر آیا۔ اب آپ نے گردو نواح کے ملوک و سلاطین کو تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں پروگرام مرتب فرمایا۔ پہلی قسط میں آپ نے چھ سفارتیں روانہ فرمائیں۔ حضرت دحیہ کلبیؓ کو شاہ روم کی طرف روانہ فرمایا۔ علامہ ابن قیم اپنی نامور کتاب "زادالمعاد" میں صحیح ابن حبان اور ابو حاتم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے قیصر روم کے پاس اپنا نامۂ گرامی کسی کو دے کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ارشاد فرمایا:

من ینطلق بصحیفتی ھذہ الی قیصر ولہ الجنۃ؟ (زادالمعاد ص ۶۱/ج ۱) کون، میرا یہ خط قیصر (شاہ روم کا لقب ہے) کے پاس لے جاکر بہشت کا حق دار بنتا ہے۔

اس پر ایک آدمی نے اٹھ کر سوال کیا کہ خواہ وہ اسلام قبول کرے، خواہ نہ، دونوں صورتوں میں خط کا لے جانے والا بہشت کا مستحق ہوگا؟ جواب میں فرمایا ہاں۔ چنانچہ یہ سعادت حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئی۔

ہم اس سفارت کا حال کچھ تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں شاید کچھ دلچسپ گوشے طالب علموں کے سامنے آجائیں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے خصوصیت سے قیصر کے پاس جانے والے سفیر کو جنت کی بشارت کا مستحق کیوں قرار دیا؟ اس کے لئے قارئین کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت بین الاقوامی سطح پر رومی سلطنت (ROMAN EMPIRE) کی کیا حیثیت تھی۔

رومی سلطنت:

زمانہ قبل از اسلام میں دنیا میں دو عظیم سلطنتیں شمار ہوتی تھیں۔ روم اور ایران بعینہ اس طرح جیسا کہ کچھ عرصہ پہلے امریکہ اور روس کی حیثیت تھی۔ رومی، دین مسیحی کے پیروکار اور اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی آتش پرست اور مشرک تھے۔ ان دونوں میں باہمی آویزش اور جنگ و جدال کا معاملہ بھی رہتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد ۶۱۴ء میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایرانی فوجیں، مار دھاڑ کرتی ہوئی، رومی علمداری میں دور تک چلی گئیں۔ بہت سے علاقے رومیوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ یہاں تک کہ ان کا دارالسلطنت تک خطرے میں پڑ گیا۔ ایرانیوں کی ان فتوحات

سے مشرکین کو بڑی خوشی ہوتی اور طبعی طور پر مسلمانوں کو اہل کتاب رومیوں کی شکست سے دکھ ہوتا۔ اب مشرکین نے مسلمانوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم بھی اس طرح تمہارا صفایا کر دیں گے۔ جس طرح کہ ایرانیوں نے رومیوں کا کر دیا ہے۔ اتنے میں قرآن مجید کی سورۂ روم نازل ہوئی جس کے آغاز ہی میں بڑے دھڑلے سے یہ پیشین گوئی موجود ہے۔ کہ آج اگرچہ رومی مغلوب ہوگئے ہیں۔ مگر چند سالوں کے اندر تاریخ اپنا ورق الٹے گی۔ رومی پھر سے فتح یاب ہوں گے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے نزول پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے مشرکین سے سو اونٹ کی شرط بھی باندھ لی۔ جو انہوں نے جیت لی۔ شرعاً شرط باندھنا جائز نہیں ہے۔ یہ اونٹ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر غریبوں میں بانٹ دیئے گئے۔

قیصر روم نے منت مانی تھی کہ اللہ رب العزت نے مجھے فتح دی۔ تو میں پیدل چل کر بیت المقدس کی زیارت کو جاؤں گا۔ چنانچہ اب وقت آگیا کہ قرآنی پیشین گوئی کی صداقت ظہور میں آئے۔ قیصر نے تیار ہو کر چڑھائی کی اور نہ صرف اپنے مقبوضہ علاقے ایران سے واپس لے لئے بلکہ فتح مبین اس کے حصے میں آئی۔ جس روز معرکہ بدر میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ اسی روز رومیوں کے ہاں فتح مندی کے شادیانے بجے۔

اس کے بعد رومی سلطنت ،دنیا کی سب سے بڑی طاقت (SUPERMOST POWER) بن گئی۔ اس کی حدود ادھر مشرق میں روس تک اور ادھر مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ واحد حکومت تھی جو پرانی دنیا کے تین براعظموں (ایشیا، افریقہ اور یورپ) میں پنجے گاڑے ہوئے تھی۔ اس کے ٹھاٹھ باٹھ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جب قیصر روم اپنی منت پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا تو پورے راستے میں اس کے لئے قیمتی مخملیں فرش بچھائے جاتے تھے۔ اور فرش پر پھول نچھاور کیئے جاتے۔ قیصر جب دربار لگاتا تو سر پر وہ سنہری تاج پہن کر بیٹھتا۔ جس میں انمول ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ دربار میں جو بھی حاضر ہوتا، اسے تخت کے سامنے سجدہ کرنا لازمی تھا۔

اب اندازہ لگائیے کہ صحرائے عرب کا ایک باشندہ یتیمی میں پل کر جوان ہونے والے نبی امی کا ایک خط لے کر اتنے عظیم الشان دربار میں داخل ہوتا ہے، پھر نہ تو قاصد کوئی سازوسامان سے آراستہ ہے، نہ اس کا بھیجنے والا کسی طمطراق کا مالک، نہ ہدایا اور تحائف کا کوئی سہارا، نہ دربار میں سر جھکا کر داخل ہونے کو تیار، گویا آداب شاہی سے یکسر بے بہرہ اور لاتعلق، پھر وہ نہ تو کوئی قصیدہ خواں کاسہ لیس شاعر ہے۔ نہ دامن پھیلا کر سوالی، الٹا وہ تبدیلی مذہب کی دعوت لے کر آیا ہے۔ طرفہ یہ کہ وہ نامۂ اقدس پیش کرنے والا ہے، اس میں نہ کوئی منت سماجت، نہ شاہی آداب کی کوئی رورعایت، بلکہ ترغیب کے ساتھ ترہیب پر مشتمل، تو اب سوچیئے کہ وہ شاہی دربار جہاں بڑے بڑے سفراء ممالک کا پتہ پانی ہوجاتا ہو، وہاں ایک صحرا نشین اس طرح بے سلیقہ اور تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جادھمکے، کتنی بڑی جرأت کی بات ہوگی۔ اور "نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد" کے مصداق کیسے سنگین نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فریضہ کو انجام دینے والے کے حق میں زبان نبوت سے "ولہ الجنۃ" کی بشارت نکلی۔ اور غالباً اسی لئے قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملے کرنے والے پہلے اسلامی لشکر کے لئے بھی "اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" کی خوشخبری سنائی گئی۔

حدیث ہرقل:

آمدیم برسر مطلب۔ پیش نظر سفارت والی روایت محدثین کی زبان میں حدیث ہرقل کے عنوان سے مشہور ہے۔ ہرقل شاہ روم کا ذاتی نام ہے اور قیصر اس کا شاہی لقب، یہ روایت صحیح بخاری میں گیارہ مقامات پر آئی ہے۔ دو جگہ تفصیل سے اور باقی مقامات پر موقعہ محل کی مناسبت سے جزوی طور پر، ہم یہ روایت زیادہ تر بخاری شریف اور اس کی شرح فتح الباری کو سامنے رکھ کر بیان کریں گے۔

شام، اس زمانے میں رومی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ اس علاقے میں عرب بڑی تعداد میں آباد تھے۔ شام کا فرماں روا "غسان" کہلاتا تھا اور اس وقت جو غسان حکومت کر رہا تھا۔ اس کا نام حارث تھا۔ وہ گویا قیصر کے ماتحت بطور گورنر کام کر رہا تھا۔ صوبائی دارالحکومت بصریٰ کا شہر تھا۔ حضرت دحیہؓ کی روانگی ۶ھ کے اخیر میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ وہ خط حاکم بصریٰ کے توسط سے قیصر تک پہنچایا جائے۔

عجب اتفاق، کہ ان دنوں یہ گورنر، بصریٰ کے بجائے حمص میں مقیم تھا تاکہ بادشاہ کی منت کے سلسلہ میں اس کے پیدل سفر کے انتظامات کر سکے۔ حضرت دحیہ وہیں حمص جا کر اس سے ملے اور نامۂ اقدس اس کے حوالے کیا۔ ادھر قیصر منازل طے کرتا ہوا بیت المقدس پہنچ گیا۔

ابن ناطور، قیصر کی طرف سے بیت المقدس پر تعینات تھا۔ اس کا بیان ہے کہ بیت المقدس میں قیام کے دوران، ہرقل ایک دن صبح کو اٹھا تو اس کا مزاج کافی بگڑا ہوا تھا۔ کسی سردار نے اس سے پوچھ لیا۔ حضور! آج خیریت تو ہے؟۔ ہرقل فن نجوم سے تعلق رکھتا تھا۔ بولا کہ آج رات میں نے ستاروں کی طرف دیکھا، تو مجھے معلوم ہوا کہ ختنہ کرانے والی قوم کا سردار نمودار ہو چکا ہے۔ یہ بتاؤ کہ کون لوگ ختنہ کرایا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا: حضور والا، یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ یہودی ختنہ کرایا کرتے ہیں۔ آپ اپنے ماتحت گورنروں کو گشتی حکم جاری فرما دیں کہ وہ یہودیوں کو چن چن کر مروا دیں۔ ابھی سوچ بچار ہو رہی تھی کہ ایک آدمی، جس کو شامی گورنر نے بھیجا تھا۔ قیصر کے پیش تھا وہ عربی تھا اور رسول اللہ ﷺ کے حالات سناتا تھا۔ حافظ ابن حجر شارح بخاری فرماتے ہیں کہ شاید یہ حاتم طائی کے بیٹے عدی ہوں، جو اس وقت دین نصاریٰ پر تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں حضرت دحیہ کے پیچھے ان کی امداد اور تائید کے لئے روانہ فرمادیا تھا۔ عرب کے باشندہ ہونے کے وجہ سے عربوں کے دستور کے مطابق وہاں کے نصرانی بھی ختنہ کراتے تھے۔ ہرقل نے اپنے ملازموں کو کو حکم دیا کہ اس عربی کو لے جا کر دیکھو کیا یہ ختنہ شدہ ہے۔ انہوں نے اسے دیکھ کر واپسی ہرقل کو مطلع کیا کہ واقعی یہ شخص ختنہ شدہ ہے۔ پھر قیصر نے عدی سے مزید حالات دریافت کیے۔ یہ بھی پوچھا کہ کیا عرب میں ختنہ کا عام رواج ہے۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو ہرقل نے کہا بس پھر یہی عرب کا بادشاہ ہے جس کا ظہور ہو چکا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵)

نامۂ گرامی کا قیصر تک پہنچنا:

شامی گورنر، جو حمص میں مقیم تھا، نے حضرت دحیہ کو نامۂ گرامی کے ہمراہ بیت المقدس روانہ کر دیا۔ درباریوں نے حضرت دحیہؓ سے کہا کہ دربار میں داخل ہو کر تخت کے سامنے سجدہ کرنا، مگر انہوں نے فرمایا کہ مسلمان کا سر، ایک اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا۔

بہر کیف، دربار رسالت کے سفیر، قیصر کے دربار میں پہنچ گئے۔ نامۂ اقدس پیش کیا گیا قیصر کا ایک بھتیجا، جو سرخ رنگ کا اور نیلی آنکھوں والا تھا، دربار میں موجود تھا۔ وہ بولا، یہ خط نہ پڑھا جائے، ان لوگوں کو تو خط

سے کا سلیقہ بھی نہیں ہے کہ اپنے نام سے شروع کیا ہے۔ لکھا ہے مِن محمد عبداللہ و رسولہ مگر ہرقل نے اس اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آگے چلے تو بھتیجے نے پھر اعتراض کیا کہ اس میں ملک الروم نہیں لکھا، مگر ہرقل نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ عظیم الروم تو لکھا ہے بات تو ایک ہی ہے ہرقل نے سرسری طور پر خط کو پڑھ کر کہا، "ھٰذا کتاب لم اسمع مثلہ" اس جیسا خط میں نے نہیں سنا، اب قیصر نے کہا کہ دیکھو، کوئی عرب اس علاقے میں آئے ہوئے ہوں تو انہیں بلالاؤ۔ بادشاہ نے پولیس افسر کو حکم دیا کہ شام کی سرزمین کو چھان مارو اور کہیں سے عربوں کو ڈھونڈ لاؤ میں ان سے کچھ دریافت کرونگا۔

قیصر کی تفتیش حال:

اتفاق سے ان دنوں حضرت ابوسفیان، جب کہ ابھی وہ مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ تجارتی قافلہ لے کر شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے۔ انہیں قیصر کے دربار میں لے جایا گیا۔ دربار کو بڑی شان شوکت سے سجایا گیا تھا۔ تخت شاہی کے ارگرد حاشیہ نشین امراء بڑے بڑے پادری اور نصرانی عالم بیٹھے تھے۔ ترجمان کے واسطے سے گفتگو کا آغاز ہوا۔ قیصر نے عرب تاجروں سے پہلا سوال یہ کیا کہ تم میں جو مدعی نبوت اٹھا ہے تم میں سے اس کا قریب ترین عزیز کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ قیصر نے کہا ان کو میرے نزدیک لے آؤ اور ان کے پیچھے ان کے ساتھیوں کو بٹھا دو پھر ان ساتھیوں سے کہا کہ اگر یہ شخص (ابوسفیان) کوئی جھوٹ بولے، تو تم فوراً اسے ٹوک دینا۔ اب قیصر اور ابوسفیان کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:

قیصر: ابھی قیصر نے کوئی سوال نہیں کیا تھا کہ ابوسفیان بولے: وہ شخص تو جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے مگر قیصر نے ٹوک دیا اور کہا کہ میں نے تمیں اس لئے نہیں بلایا تھا کہ یہاں بیٹھ کر اسے گالیاں دو۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ ایک بڑے اونچے خاندان کا فرد ہے۔

قیصر: کیا اس سے پہلے بھی تم میں کسی نے کبھی کوئی ایسا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا اس کے آباؤاجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان: نہیں

قیصر: اچھا یہ بتاؤ کہ بڑے لوگ اس کے پیروکار بنے ہیں یا کمزور سے؟

ابوسفیان: کمزور اور نچلے درجے کے لوگ۔

قیصر: اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔

ابوسفیان: بڑھتے جارہے ہیں۔

قیصر: کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی شخص اس کے دین کو ناپسند کرتے ہوئے پھر جائے؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم اسے جھوٹا سمجھتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا وہ دھوکہ بازی اور بدعہدی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔ البتہ آج کل ہمارا اس سے ایک معاہدہ ہے اس کا پتہ نہیں کہ اس میں کیا کرتا ہے۔
ابوسفیان کہتے ہیں دوران گفتگو میں اور تو کوئی آمیزش نہیں کر سکا۔ صرف یہی ایک جملہ بڑھا دیا تھا۔
قیصر: کیا اس سے تمہیں کبھی جنگ کی نوبت آئی؟

ابوسفیان: ہاں
قیصر: تو پھر نتیجہ کیا رہا؟
ابوسفیان: کبھی وہ فتح یاب ہوتا ہے کبھی ہم
قیصر: اس کی تعلیمات کیا ہیں؟
ابوسفیان: وہ کہتا ہے: ایک اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے سب چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاک دامنی اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔

اب سوال جواب کا سلسلہ ختم ہو گیا اور قیصر نے ترجمان سے کہا کہ تم اس سے کہہ دو کہ میں نے پہلا سوال اس کے نسب کے بارے میں کیا تو نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے واقعی پیغمبر اونچے خاندانوں میں سے آتے ہیں۔

(ب) میں نے پوچھا کہ کیا پہلے بھی کسی نے ایسا دعویٰ تم میں کیا تھا۔ تم نے جواب نفی میں دیا۔ میں نے سوچا کہ اگر پہلے کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہوتا، تو خیال ہو سکتا تھا کہ یہ اس کی تقلید میں ایسا دعویٰ کر رہا ہے۔

(ج) میں پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔ تم نے اس کا بھی انکار کیا اور نہ تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے باپ کی حکومت واپس لینا چاہتا ہے۔

(د) میں نے پوچھا، دعویٰ نبوت سے پہلے تم اسے جھوٹا تو نہیں سمجھتے تھے۔ تم نے اس کا انکار کیا تو میں یہ سمجھا کہ جو شخص بندوں کے معاملہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ اللہ کے حق میں کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔

(ہ) میرے پوچھنے پر تم نے یہ بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیروکار بن رہے ہیں۔ واقعی انبیاء کے پیروکار یہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ مالدار اور بااثر لوگ گھمنڈ میں رہتے ہیں۔

(و) میرے سوال پر تم نے بتایا کہ اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں۔ درست ہے۔ ایمان والے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

(ز) میرے پوچھنے پر تم نے بتایا کہ ایمان لے آنے کے بعد کوئی پیچھے نہیں ہٹ جاتا۔ واقعی جب ایمان دل میں رچ بس جاتا ہے تو پھر رگ و ریشہ میں گھر کر لاتا ہے۔

(ح) تم نے یہ بھی بتایا کہ وہ کوئی بدعہدی نہیں کرتا۔ بالکل صحیح ہے۔ انبیاء ہمیشہ بات کے سچے اور وعدے کے پکے ہوتے ہیں۔

(ط) تم نے یہ بتایا کہ میدان جنگ میں کبھی وہ فتح یاب ہوتا ہے اور کبھی تم۔ درست ہے۔ انبیاء کو کبھی کبھی امتحان اور آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر انجام کار کامیاب وہی ہوتے ہیں۔

(ی) میں نے پوچھا، وہ کیا تعلیم دیتے ہیں۔ تو تم نے جو باتیں گنوائی ہیں۔ واقعی پیغمبر یہی سکھاتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے۔ مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے آئے گا۔ اب جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر یہ سچ ہے تو عنقریب میں یہ جگہ جہاں میرے پاؤں ہیں اس کے قبضے میں آجائے گی۔ اگر مجھے یہ توقع ہوتی کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو میں اس سے ملنے کی کوشش کرتا اور مل کر میں اس کے پاؤں دھوتا۔

درباریوں کا رویہ:

اس کے بعد قیصر نے نامۂ اقدس منگوایا جو پڑھ کر سنایا گیا۔ اہل درباریوں تو ابوسفیان سے قیصر کی گفتگو سن کر ہی برافروختہ ہو رہے تھے۔ اب خط کا مضمون سنا تو بے حد برہم ہوئے۔ دربار میں شوروشغب شروع ہو گیا۔ جس کے بعد قیصر نے ابوسفیان اور اس کے رفقاء کو باہر بھیج دیا۔ ملاقات کی یہ تفصیل صحیح بخاری جلد اول ص ۴ اور ص ۴۱۲ سے لی گئی ہے۔

سیرت حلبیہ میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ابوسفیان نے یہ محسوس کیا کہ قیصر روم کا دل اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ تو کہا کہ جناب والا! اس شخص کی کیا پوچھتے ہیں وہ تو ایسی ایسی باتیں بیان کرتا ہے جو عقل کے خلاف ہوتی ہیں۔ جب وہ مکہ میں رہتا تھا تو ایک دن اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ رات مجھے مسجد حرام سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں کے اوپر تک لے جایا گیا...... قیصر نے ابھی کوئی رائے نہیں دی کہ بیت المقدس کا متولی ابن ناطور عرض گزار ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک بات تو ہمارے ساتھ گزری ہے کہ وہ یہ کہ رات کو میں ہمیشہ ہیکل مقدس کے دروازے بند کرا دیا کرتا ہوں۔ مگر ایک رات ایسا ہوا کہ میں دروازے بند کرانے لگا تو ایک دروازہ ہماری سر توڑ کوشش کے باوجود ہم لوگوں سے بند نہ ہوسکا۔ ہم اسے کھلا چھوڑ دیا۔ صبح آکر ہم نے عجیب بات دیکھی کہ دروازے کے پاس کسی جانور کے پاؤں کے نشانات ہیں اور قریب کے پتھر سے ایسا لگتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی جانور کو باندھا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی رات کا واقعہ ہے جس کا ذکر ابوسفیان کر رہا ہے۔ ابوسفیان کی یہ تدبیر بھی الٹی گئی۔

بہر کیف، جب ابوسفیان دربار سے باہر آئے تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے عجیب بات ہے ابو کبشہ کے بیٹے (حضور ﷺ مراد ہیں) کا معاملہ بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ دیکھو تو سہی، آج دنیا کا سب سے بڑا فرماں روا، روم کا بادشاہ بھی اس سے ڈر رہا ہے۔ (بخاری شریف) ہرقل کا تبصرہ سن کر ابوسفیان نے رائے ظاہر کی کہ میں نے اس سے زیادہ کوئی ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی کبھی نہیں دیکھا (فتح الباری ج ۱/۳۵)

قیصر کی تائید مزید:

رومیہ، رومی مملکت کا ایک شہر ہے وہاں کا جو حاکم تھا وہ بڑا صاحب علم تھا۔ اور اسے حکومتی منصب کے ساتھ دینی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ فتح الباری میں اس کا نام صنغاطر لکھا ہے۔ بیت المقدس کے دربار کے بعد قیصر نے سیدنا دحیہؓ کو صنغاطر کے نام ایک خط دے کر رومیہ روانہ کیا اور تاکید کی کہ اس کا جواب لے کر میرے پاس آنا۔ قیصر کا مقصد صنغاطر کی رائے معلوم کرنا تھا۔ دحیہؓ وہاں پہنچے اور اس سے ملے۔ اس نے حالات سن کر کہا واقعی، تمہارے بھیجنے والے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کے بارے میں بشارت دی تھی۔ پھر صنغاطر نے کپڑے تبدیل کیئے۔ سفید لباس پہن کر باہر آیا۔ رومیوں کے مجمع میں تقریر کی، خود کلمہ شہادت پڑھا اور انہیں بھی اسلام کی دعوت دی۔ مگر رومی بگڑ گئے۔ یہاں تک کہ مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ حضرت دحیہؓ اس کا جواب لے کر قیصر کے پاس واپس آگئے۔ وہ حمص کے شہر میں مقیم تھا۔ اس نے مفصل حال سنا تو حضرت دحیہؓ سے کہا دیکھ لیا تم نے، سمجھتا میں بھی ہوں واقعی تمہارے بھیجنے والے نبی ہیں۔ لیکن کیا کروں اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے اور حکومت تو جاتی ہی رہے گی۔

اس کے بعد قیصر نے حمص ہی میں اپنے درباری امراء کو ایک محل کے اندر بلایا۔ محل کے دروازے بند

کردیئے۔اور یوں امرائے سلطنت سے مخاطب ہوا۔

اگر تم کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو اور تم چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت برقرار رہے تو اس نبی کی پیروی کرلو۔اب وہ درباری وحشی جانوروں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔ایک طوفان بدتمیزی برپا کردیا۔آگے سے دروازے بند تھے۔جب ہرقل نے یہ صورت حال دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوا تو (ملازموں سے) کہا کہ انہیں واپس بلاؤ اور پھر بات کارخ بدلا۔کہا، میں نے تو تمہیں آزمانا چاہا تھا کہ تم کس حد تک اپنے دین پر پختہ ہو۔ تو میں نے دیکھ لیا ہے۔ یوں حب جاہ۔ہرقل کے لئے ایمان لانے سے حائل ہوئی اور وہ متاع آخرت سے محروم رہ گیا۔(بخاری فتح الباری)

آنحضرت کے دووزیروں کا ذکر:

حافظ ابن الجوزی(۱) چھٹی صدی ہجری میں ایک نامور محدث گزرے ہیں۔وہ روایات قبول کرنے میں بڑے متشدد اور سخت مزاج ہوئے ہیں۔ بعض اوقات اچھی بھلی صحیح روایات کو موضوع قرار دے دیتے ہیں۔ایسے محدث کا کسی روایت کو نقل کرنا بجائے خود اس روایت کی صحت کی دلیل ہے۔درج ذیل روایت ہم ان کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں۔حضرت دحیہؓ فرماتے ہیں کہ جب قیصر نے اپنے امراء کی روش دیکھی تو اگلے روز خفیہ پیغام بھیج کر مجھے بلایا۔میں گیا تو مجھے ایک عظیم الشان محل میں لے گیا۔اس میں حضرات انبیاء مرسلین علیہم السلام کی تین سو تیرہ تصاویر رکھی ہوئی تھیں۔مجھ سے کہا کہ دیکھو تمہیں اپنے پیغمبر کی کون سی تصویر نظر آتی ہے۔میں نے آنحضرت ﷺ کی تصویر دیکھی تو کہا یہ ہے اس نے میری تصدیق کی۔ پھر کہا کہ ان کے دائیں بائیں کس کی تصویریں ہیں ۔میں نے بتایا کہ یہ آپ کی قوم کے آدمی ہیں۔دائیں طرف والے کا نام ابوبکر ہے۔اور بائیں طرف والے کا عمر۔ اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ تمہارے نبی کے ان دو ساتھیوں کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوگی۔(آگے حضرت دحیہ کا بیان ہے) جب میں واپس آیا اور آنحضرت ﷺ کو بتایا تو حضور نے ارشاد فرمایا: اس نے سچ کہا اللہ تعالی ان دونوں کے ذریعے اشاعت اسلام کے کام کو مکمل فرمائیں گے۔اور ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوں گی۔(تاریخ عمر بن الخطاب ص ۴۷)

قیصر کا سرزمین شام کو الوداعی سلام:

بعض سیرت نگار نقل کرتے ہیں کہ قیصر نے امراء سلطنت سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم اس نبی عربی پر ایمان لے آؤ گے تو مجھے یقین ہے کہ آدھا علاقہ شام کا اور پورا روم تمہارے پاس رہ جائے گا۔ورنہ تو مجھے اندیشہ ہے کہ شام، سارا کا سارا اور آدھا روم تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ان لوگوں نے اس بات پر کان نہ دھرا۔مگر قیصر دل میں سب کچھ سمجھ چکا تھا۔چنانچہ جب وہ بیت المقدس کے سفر سے واپس اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ جانے لگا تو اس نے شام کی سڑک پر کھڑے ہو کر شام کی طرف رخ کر لیا اور کہا کہ

حاشیہ(۱) اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لئے اس کے بندے کیا کیا بہانے ڈھونڈتے ہیں ابن الجوزی نے کم و بیش اڑھائی سو تصانیف چھوڑی ہیں۔اور دو ہزار کتابیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے نقل کیں۔ جن قلموں سے وہ لکھتے تھے ان کے تراشے وہ جمع کرتے رہے۔ حتی کہ ایک صندوق ان سے بھر گیا۔ آخری وقت میں وصیت فرمائی کہ ان تراشوں کو جلا کر میرے غسل کا پانی گرم کیا جائے شاید یہ میری نجات کا سبب بن جائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔(تذکرۃ الحفاظ حافظ وغیرہ)

السلام علیک یا ارض سوریۃ تسلیم المودع اے سرزمین شام تجھے الوداعی سلام (فتح الباری ج ا/ ۴۴)
بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس نے درباریوں کے سامنے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ صحیح تھا۔ عہد صدیقی میں شام کی طرف فتوحات اسلامی کا سلسلہ شروع ہوا اور سیدنا فاروق اعظم کے عہد میں پورا شام، مصر اور رومی سلطنت کا کافی علاقہ۔ اسلامی قلمرو میں شامل ہوچکا تھا۔ خاص قسطنطنیہ کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کا آغاز سیدنا معاویہ کے دور میں ہوچکا تھا۔ میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاری کی وفات اسی سفر جہاد میں ہوئی ان کی قبر قسطنطنیہ کی فصیل کے سائے میں ہوئی۔ اور عجیب بات ہے کہ نصاری اس سے برکتیں حاصل کرتے رہے۔ قسطنطنیہ کا موجودہ نام استنبول ہے جو ترکی کا بڑا شہر ہے۔

نامہ گرامی کا متن اور اس کا ترجمہ:

نامہ گرامی جو آج کی صحبت میں ہمارا موضوع سخن ہے اس کا متن اور ترجمہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد عبداللہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم ۔سلام علی من اتبع الھدیٰ امابعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان لولیت فعلیک اثم الایسیین۔ یا اہل الکتب تعالو الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الااللہ ولا نشرک بہ شیاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولو فقولو اشھدو بانا مسلمون

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے، روم کے صدر، ہرقل کے نام
اس پر سلام، جو ہدایت (راہ مستقیم) کا پیروکار ہو۔ اس کے بعد، میں تجھے کلمہ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام لے آ بچ جائے گا۔ اللہ تعالی تجھے دہرا ثواب دے گا، اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔
اے اہل کتاب تم ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں برابر (شریک) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی غیر کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنا لے۔ اگر وہ نہیں مانتے تو تم ان سے کہہ دو کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو اسلام لا چکے ہیں۔
(صحیح بخاری ص ۵)

اس مکتوب اقدس کا نصف اخیر ایک قرآنی آیت پر مشتمل ہے۔ جو سورۃ آل عمران کی آیت ۶۴ سے لی گئی ہے - یہ پوری سورۃ نصاریٰ کو دعوت اسلام کے مضامین پر حاوی ہے۔ امام فخر الدین رازی اور دیگر مفسرین نے بڑے بڑے نکات بیان کیئے ہیں۔ یہاں تفصیل کی تو گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ آیت کریمہ میں "سوآء" کا لفظ یہ بتارہا ہے کہ توحید اور شرک کی نفی تمام ادیان سماویہ کا بنیادی عنصر ہے۔ تمام انبیاء علیہم اسلام کلمہ توحید ہی کی دعوت دیتے چلے آئے۔ اگر کسی آسمانی دین کے پیروکاروں میں کہیں شرک کی خوبو نظر آئے تو یہ ان کا اضافہ ہوگا۔ اللہ کا نبی اور اللہ کی کتاب یقیناً اس سے بیزار ہوں گے۔ شیاً کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے ساتھ الوہیت میں کسی چیز کو بھی شریک کر لینا شرک ہے۔ خواہ وہ شجر ہو خواہ شمس و قمر ہوں یا کسی ولی یا پیغمبر کی ذات ہو۔ شرک میں مبتلا دنیا کے بارے میں کیا بتایا جائے کہ شرف انسانیت کو کہاں کہاں ذلیل اور پامال کیا گیا۔

چاند، سورج اور آگ، دودھ دینے والے جانوروں پتھر کے ٹکڑوں اور سانپ، بچھو سے لے کر مردانہ زنانہ اعضاء تناسل تک کو معبود اور مسجود بنایا گیا۔ ایک موحد "لااحب الافلین" کا نعرہ لگا کر اپنی عبودیت اور پرستش کی تمام کڑیاں صرف ایک ذات اللہ سے وابستہ کرلیتا ہے اور پکار اٹھتا ہے

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انامن المشرکین

اتخاد ارباب کی نفی عقیدہ توحید کی تکمیل کے لئے ہے۔رجاء و بیم کا سلسلہ غیر اللہ سے جوڑ دینا، تحلیل و تحریم کے اختیارات کسی اور کو سونپ دینا۔ قانون سازی اور حاکمیت کا حق کسی اور کو دے دینا یہ بھی شرک کی مختلف صورتیں ہیں۔ جن کی تردید اس جملہ میں فرمادی گئی۔

شارح بخاری مقدمہ ابن حجر نے نامہ گرامی کی بلاغت کی طرف چند اشارات فرمائے ہیں۔اوپر خط کشیدہ جملہ "اسلم تسلم" کے بارے میں عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں طبرانی کی ایک روایت ہے کہ قیصر نے حضرت دحیہؓ سے کہا تھا میں جانتا ہوں کہ تیرا بھیجنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے لکھا ہے لیکن میں ایمان نہیں لاسکتا۔ اگر میں ایسا کرلوں تو میری بادشاہی جاتی رہے گی اور رومی مجھے مار ڈالیں گے۔ابن اسحٰق سے بھی اس کے ہم معنے روایت منقول ہے۔ لیکن اگر ہرقل آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد بالا کو سمجھنے کی کوشش کرتا تو وہ اسلام لاکر دنیا اور آخرت کے ہر خطرہ سے محفوظ ہوجاتا، لیکن توفیق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(فتح الباری ج ۱/ ۳۷)

حافظ ابن حجر سہیلی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہرقل نے نامہ گرامی کو تعظیماً سونے کی ایک ڈبیہ میں رکھ لیا اور نسلاً بعد نسل وہ ان میں منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس فرنگی بادشاہ کے پاس آگیا۔ جس نے طلیطلہ (ہسپانیہ کا ایک صحت افزاء مقام ہے) پر قبضہ کرلیا تھا۔ پھر اس کے بیٹے کو ملا۔ ایک مسلمان سپہ سالار کی اس بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے وہ مکتوب شریف اسے دکھایا اسے دیکھ کر مسلمان جرنیل کے آنسو نکل آئے۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اسے مکتوب کو ایک مرتبہ چوم لینے کی اجازت دے مگر وہ نہ مانا۔

آگے چل کر علامہ حجر نے سیف الدین منصوری کی زبانی نقل کیا ہے کہ مغربی علاقہ کے مسلمان بادشاہ نے مجھے فرنگی بادشاہ کے پاس کسی کام سے بھیجا۔ اس نے وہ کام تو جلدی کر دیا۔ پھر مجھے مزید ٹھہرنے کو کہا۔ میں نے انکار کیا تو کہا۔ آپ رہ جائیں۔ آپ کو ایک عجیب و غریب تحفہ دیا چنانچہ اس نے ایک صندوق نکالا۔ جس پر سونے کی پتریاں جڑی ہوئی تھیں۔اس میں سے ایک سنہری ڈبہ نکالا۔ پھر اس سے ایک خط نکالا جو ریشمی غلاف میں لپٹا ہوا تھا اور کہا کہ یہ تمہارے پیغمبر کا خط ہے۔ جو میرے جد اعلیٰ قیصر کے نام آیا تھا۔ ہم میں وراثتاً منتقل ہوتا چلا آیا ہے اور ہمارے بزرگوں کی وصیت ہے کہ جب تک یہ ہمارے پاس رہ جائے گا۔ حکومت ہمارے پاس رہ جائے گی۔ اس لئے ہم اس کی بہت حفاظت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم میں بھی کسر نہیں چھوڑتے۔

دو متضاد تصویریں:

قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں یہ قیصر کا مقدر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مکتوب گرامی سے مودبانہ پیش آیا۔اس کی تعظیم و تکریم بجالایا۔ ایمان قبول نہ کرنے کے باوجود اس نیکی کا صلہ اسے اور اس کے پس ماندگان کو اس شکل میں ملا کہ صدیوں تک اس کی سلطنت ..... اگرچہ اس کی حدود سکڑتی چلی گئیں۔قائم رہی تا آنکہ ۸۵۷ھ میں سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں روم کا دارالسلطنت قسطنطنیہ فتح ہوا اور یوں آنحضرت ﷺ کی دو پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔

(الف) لتفتحن القسطنطنیہ (مسند احمد) تم ضرور قسطنطنیہ کے شہر کو فتح کرو گے۔
(ب) اذاھلک قیصر لاقیصر بعدہ جب قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔
اس کے برعکس
کسریٰ نے آقائے دوجہاں ﷺ کے نامہ گرامی سے نہایت بے ادبی اور گستاخی کا برتاؤ کیا۔ جب نامہ بر سیدنا عبداللہ بن حذافہؓ آنحضرت ﷺ کے ہدایت کے مطابق بحرین کے سردار کے توسط سے کسری کے دربار میں پہنچے اور اس کے سامنے نامہ گرامی پڑھا گیا۔ تو اس کی شقاوت ازلی رنگ لائی۔ اس کا نام خسرو پرویز تھا وہ مشہور عادل بادشاہ نوشیرواں کا پوتا تھا اس بدبخت نے مکتوب اقدس کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے پرزے پرزے کر دیا۔ سیدنا عبداللہ فارس سے واپس مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہ نبوت میں حال عرض کیا تو لسان نبوت سے کسریٰ کے حق میں بددعا جملہ نکلا اللھم مزقھم کل ممزق اے اللہ! تو انہیں پارہ پارہ کردے۔
کسریٰ پرویز نے یمن جو اس وقت فارس کا ایک صوبہ تھا کے گورنر باذان فارسی کو لکھا کہ عرب کے جس مدعی نبوت نے اس طرح مجھے خط لکھا ہے تم اس کا سر قلم کرا کے میرے پاس بھیجو۔ العیاذ باللہ باذان نے کوئی سنگین اقدام کرنے سے پہلے دو قاصد دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجے۔ ان دونوں نے وہاں پہنچ کر دربار رسالت کا جو نقشہ دیکھا اس سے بڑے متاثر ہوئے۔ ابھی یہ وہیں مقیم تھے کہ ایک روز صبح کو نبی صادق المصدوق ﷺ نے انہیں بتایا کہ تمہارے بادشاہ کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔
قصہ یوں ہوا کہ شیریں نامی ایک پری زاد کسری کے حرم سرا میں بطور ملکہ داخل تھی۔ پرویز، دل و جان سے اس پر فدا تھا۔ اس کا بیٹا شیرویہ بھی شیریں کے حسن پر نقد دل لٹا چکا تھا۔ علاوہ ازیں پرویز کا بھی ارادہ تھا کہ خاندانی ملکہ سے جو بیٹا تھا اس کی بجائے شیریں کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے کو ولی عہد بنادے۔ جوش رقابت میں شیرویہ نے باپ کا قصہ پاک کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پرویز کے ساتھ اس کے سترہ بیٹے بھی مارے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیریں نے پھر بھی شیرویہ کی طرف التفات نہ کیا بلکہ زہر کھا چل بسی۔
پرویز کو چونکہ بیٹے کے بارے میں بدگمانی تھی، اس نے بھی ایک عجیب جتن کیا کہ زہر کی ایک شیشی پر لکھ دیا "امساک کی بہترین دوا" شیرویہ نے تخت نشین ہونے کے بعد ایک روز دوا خانہ کھول کر دیکھا۔ اس شیشی پر نظر پڑی تو کام کی چیز سمجھ کر اسے استعمال کیا۔ زہر نے اپنا کام کیا۔ یوں شیرویہ بھی رخصت۔
اب امرائے سلطنت نے پرویز کی بیٹی بوران کو تخت پر بٹھادیا۔ رسول ﷺ کو اطلاع پہنچی تو ارشاد فرمایا۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے امور سلطنت ایک عورت کی تحویل میں دے دیئے ہوں۔ چنانچہ چند ہی روز میں بوران بھی خس کم جہاں پاک کا مصداق بنی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے فیروز دوم، بوران کی بہن آزرمید خت، ہیریز سوم، خسرو چہارم، فرخ زاد سے ہوتے ہوتے اقتدار یزدگرد کے حصے میں آیا۔ نبی صادق ﷺ کی پیشین گوئی کی تکمیل میں ابھی ایک مرحلہ باقی تھا۔ یزدگرد کے حصے میں مگر ادھر سے اسلامی افواج سیلاب کی طرح بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ یہاں تک کہ یزدگرد کو سیدنا حضرت عثمانؓ کے زمانے میں تن تنہا اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ جنگلوں میں چھپتا پھر رہا تھا کہ ایک عورت کے ہاتھوں اس کا کام تمام ہوا اور یوں کسری کی سلطنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

صدق اللہ العلی العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم